انسان بااختیار ہے یا مجبور؟

مصطفٰے محمود ° / ترجمہ: اِرشادالرحمٰن

انسانی حُریت اور آزادی وہ حقیقت ہے جو بعض اوقات انسان کی گمراہی کا باعث بھی بن جاتی ہے۔ حُریت فکر اور آزادی کی آڑ میں ہی ملحدین مختلف اعتراضات مدلل انداز میں اُٹھاتے ہیں تاکہ دین کے خلاف دلیل اور حجت قائم کرسکیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

جب اللہ نے میرے افعال کو میرا اُوپر مقدر طے کر دیا ہے تو پھر وہ حساب کیوں کر لے سکتا ہے؟

جب دنیا میں ہر چیز اللہ کی مشیت سے چل رہی ہے تو پھر میرا قصور کیا ہے؟

عملاً تو یہ سوال ایک گتھی کو سامنے لا رکھتا ہے۔ اسی لیے تو نبی کریمؐ نے اپنے صحابہؓ کو تلقین فرمائی تھی کہ اس بحث میں نہ پڑیں۔ فرمایا: ''جب تقدیر کا ذکر آجائے تو اُس پر بات کرنے سے رک جاؤ''۔ چونکہ یہ ایسا فلسفیانہ عقدہ تھا جس کی بنا پر انسان بے یقینی اور بے ایمانی کے گڑھے میں لڑھک سکتا تھا، لہٰذا آپؐ نے عمیق عقلی دلائل پر قلبی ایمان کو فوقیت اور ترجیح دی۔

کائنات کے اندر ارض و سماوات اور ستاروں پر نظر ڈالیں تو دکھائی دیتا ہے کہ یہ سب ایک مضبوط و محکم سلسلے میں بندھے ہوئے ہیں۔ کائنات کی ہر شے ایک محکم نظام کے تحت چل رہی ہے۔ سورج کا طلوع و غروب ہی بطورِ مثال ملاحظہ کر لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک قانون کے مطابق حرکت کرتا ہے۔ اسی طرح دیگر اشیاے کائنات بھی ایک قانون اور ضابطے کے مطابق چلتی ہیں۔ صرف واحد انسان ہے جو اپنی طبیعت اور حالات و ظروف کے مطابق آزادی، جذبات اور

° درجنوں کتابوں کے مصنف، مصر کے معروف طبیب اور ماہر طبیعیات

خواہشات کا مالک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کائنات سے متصادم رہتا ہے۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ کسی لمحے کوئی انسان اس بات سے آگاہ ہو سکے کہ اُس کا انجام کب اور کیا ہے؟

اپنے ماحول کی رکاوٹیں اور مزاحمتوں کے باوجود انسان کی حریت ایک حقیقت ہے، کوئی وہم نہیں۔ انسان اپنے دائرۂ ضمیر میں مطلقاً آزاد ہے۔ البتہ اس کے نفاذ و اطلاق میں، یعنی دائرۂ فعل و عمل میں اس کی آزادی مطلق نہیں بلکہ منسوب ہے۔ یہ اس کے ماحول کے حدود و مزاحمتوں کے مطابق ہوتی ہے۔

اب رہی بات اللہ اور انسان کے مابین تعلق کے حوالے سے اس ازلی راز کی، یعنی مطلق ارادۂ الٰہیہ کے ساتھ انسان کی آزادی کے معاملے کی بات۔

قرآن کہتا ہے کہ انسان کی آزادی اللہ کی مشیت، رغبت اور مراد کے ساتھ وابستہ ہے۔ انسانی آزادی نہ خالق کی طرف سے جبری ہے اور نہ مخلوق کی طرف سے۔ قرآنِ کریم بڑی وضاحت سے کہتا ہے:

وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ط اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ (یونس ۱۰:۹۹) اگر تیرے رب کی مشیت یہ ہوتی (کہ زمین میں سب مومن و فرماں بردار ہی ہوں) تو سارے اہل زمین ایمان لے آئے ہوتے۔ پھر کیا تُو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں؟۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کرنے سے انکار کیا ہے، حالانکہ یہ اُس کے بس میں تھا، مگر اُس نے انسان کو خودمختار رکھنے کا فیصلہ کیا:

وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ قف فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ لا (الکھف ۱۸:۲۹) صاف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمھارے رب کی طرف سے، اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ لا قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ج (البقرہ ۲:۲۵۶) دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔

وَ لَوْشِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰهَا (السجدہ ۳۲:۱۳) اگر ہم چاہتے تو پہلے ہی ہر نفس کو اس کی ہدایت دے دیتے۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (حٰمٓ السجدہ ۴۱:۱۷) رہے ثمود، تو اُن کے سامنے ہم نے راہِ راست پیش کی مگر انھوں نے راستہ دیکھنے کے بجائے اندھا بنا رہنا ہی پسند کیا۔

اگر ہم ہدایت کے مقابلے میں اندھا پن (گمراہی) اختیار کرنا چاہیں تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی آزادی دے رکھی ہے۔ اس کی مشیت اسی طریقے سے تو پوری ہوتی ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اللہ نے اس سے بھی زیادہ آزادی اور اختیار دے رکھا ہے۔ یعنی ان دونوں راستوں میں سے کسی ایک راستے کے انتخاب کا اختیار دے رکھا ہے۔ اللہ نے یہ امانت جو کہ حریت بھی ہے اور مسئولیت بھی، ہمارے اوپر پیش کی تاکہ ہم اس امانت کو قبول کریں یا اُس کو اٹھانے سے انکار کردیں۔ یہ ہمارا اختیار اور مرضی تھی اور اسی امانت کو اٹھانے سے آسمان و زمین اور پہاڑوں نے انکار کر دیا تھا مگر انسان نے اُس امانت کو اٹھالیا۔ اس لیے کہ انسان جاہل بھی ہے اور اپنے اُوپر ظلم کرنے والا بھی۔ اس بارِ امانت کا تذکرہ یوں ہوا ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ (احزاب ۳۳:۷۲) ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اُسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اُس سے ڈر گئے، مگر انسان نے اُسے اٹھالیا، بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔

انسان اس امانت (ذمہ داری) کے بوجھ اور اس کی ہولناکیوں سے ناآشنا تھا۔ اُسے اس ذمہ داری کو اٹھانے کے بعد جن آزمایشوں کا سامنا کرنا تھا وہ اُن سے آگاہ نہیں تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ یہ ذمہ داری اٹھا کر وہ اپنے اور دوسروں کے ساتھ کیا کیا ظلم و ستم کرے گا، مگر اللہ کو اس بہت بڑی آزمایش کی ہر چیز معلوم تھی ـــــ اُسے معلوم تھا کہ یہی آزمایش، امتحان اور تجربہ انسان کا تزکیہ و تربیت اور تطہیر کرے گا۔ اسی لیے تو فرشتوں سے فرمایا تھا کہ میں جو جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

اس آزادی کی بنا پر جس کو انسان نے اپنے اختیار و ارادے سے قبول کیا تھا، انسان کے اوپر جواب دہی اور محاسبہ بھی عائد ہوگیا۔ اسی لیے قرآنِ مجید نے حتمی و قطعی انداز میں اشارہ کیا ہے:

كُلُّ امْرِیءٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ○ (الطور ۵۲:۲۱) ہر شخص اپنے کسب کے عوض رہن ہے۔

وَ كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ط (بنی اسرائیل ۱۷:۱۳) ہر انسان کا شگون ہم نے اس کے اپنے گلے میں لٹکا رکھا ہے۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَ لَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ (السبا ۳۴:۲۵) اِن سے کہو، ''جو قصور ہم نے کیا ہو اس کی کوئی باز پرس تم سے نہ ہوگی اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس کی کوئی جواب طلبی ہم سے نہیں کی جائے گی''۔

وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ط (بنی اسرائیل ۱۷:۱۵) کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

گویا کوئی شخص کسی دوسرے کا خمیازہ نہیں بھگت سکتا، یا اُس کا گناہ اپنے سر نہیں لے سکتا۔ ہر شخص کا عمل اُس کے اپنے لیے ہے اور اُس کا بار بھی اُسی کے اُوپر ہے۔

اس حریت کے تقاضے کے طور پر اللہ تعالیٰ نے انسان کے ضمیر، اس کی نیت، اور اُس کے دل کی پوشیدہ بات کو ایک قابلِ احترام اور مقدس دائرہ قرار دے دیا کہ اُس کے اندر جبر اور قہر (مجبوری اور زبردستی) داخل نہیں ہوسکتی۔ اللہ نے تو اپنے آپ سے یہ عہد کر رکھا ہے کہ انسانی ضمیر کا یہ دائرہ قابلِ حُرمت رہے گا، اُس میں اللہ کا لشکر داخل نہیں ہوگا۔

گویا نیت اپنے آغاز اور ابتدا ہی سے مکمل آزاد ہے۔ ہم میں سے ہر شخص جو چاہے اپنے من میں نیت کر سکتا ہے، مضمر رکھ سکتا ہے، مخفی رکھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دخل تو اُس لمحے شروع ہوتا ہے جب نیت و ارادہ فعل کے دائرے میں آتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اُس کی نیت کی رُو سے، اُس کے ضمیر کی رُو سے اور اُس کے دل اور من کی چاہت اور مرضی کی رُو سے اُس کے لیے آسانیاں اور سہولتیں دیتا ہے۔ اور یہ عین عدل ہے۔ اسی طرح تو کسی فاعل کا فعل اُس کا اپنا قرار پا سکتا ہے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰی ○ وَاَمَّا

مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ○ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ○ (اللیل ۹۲: ۵-۱۰) تو جس نے (راہِ خدا میں) مال دیا اور (خدا کی نافرمانی سے) پرہیز کیا، اور بھلائی کو سچ مانا، اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور (اپنے خدا سے) بے نیازی برتی اور بھلائی کو جھٹلایا، اس کو ہم سخت راستے کے لیے سہولت دیں گے۔

یہاں اللہ تعالیٰ کا ایک وعدہ یہ بھی ہے کہ وہ دلوں کے ارادوں کے مطابق افعال کے لیے آسانیاں پیدا کرے گا، لہٰذا بد اور بُرا شخص اپنی برائی کے لیے آسانیاں پائے گا اور نیک و صالح اپنی خیر اور بھلائی کے لیے آسانیاں پائے گا۔ اللہ تعالیٰ جس انسان کے اندر ہدایت کی طلب دیکھتا ہے اُسے ہدایت عطا فرما دیتا ہے، اور جس کے اندر اُسے ضلالت کا علم ہوتا ہے اُس کو شیطانوں کے لیے چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اُس کو گمراہ کرتے رہیں:

فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ○ (الفتح ۴۸: ۱۸) ان کے دلوں کا حال اُس کو معلوم تھا، اس لیے اُس نے ان پر سکینت نازل فرمائی، ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ (انفال ۸: ۲۳) اگر اللہ کو معلوم ہوتا کہ اِن میں کچھ بھی بھلائی ہے تو وہ ضرور اِنھیں سننے کی توفیق دیتا۔

فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ (الصف ۶۱: ۵) پھر جب انھوں نے ٹیڑھ اختیار کی تو اللہ نے بھی اُن کے دل ٹیڑھے کر دیے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم پہلے ہی سے رکھتا ہے، اور اُس نے ہر شے کو اپنے علم میں گھیر رکھا ہے، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جن کا انجام بُرا ہوا اُن کے بارے میں اللہ فرماتا ہے:

حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ (حٰم سجدہ ۴۱: ۲۵) آخر اُن پر بھی فیصلہ عذاب چسپاں ہو کر رہا۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ (النحل ۱۶: ۳۶) اور ان میں سے کسی پر ضلالت مسلط ہو گئی۔

حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ○ (السجدہ

۳۲:۱۳) مگر میری وہ بات پوری ہوگئی جو میں نے کہی تھی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں، سب سے بھر دوں گا۔

اللہ کو انسان کے بارے میں علم تھا کہ یہ زمین میں فساد برپا کرے گا، اپنے اُوپر بھی ظلم ڈھائے گا اور دوسروں پر بھی ستم توڑے گا، اسی بنا پر مختلف درجات کی سزا کا مستحق ٹھیرے گا۔

یہ سب کچھ اللہ کے علمِ سابق میں تھا اور ہے۔ لہٰذا جو کچھ انسان کے ساتھ ہوگا وہ کوئی جبر اور زبردستی نہیں۔ اس بات کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک باپ اپنے کسی بیٹے کے اندر علم اور تحصیل علم سے محبت کی علامات دیکھتا ہے تو وہ اُس کو سہولیات اور وسائل فراہم کرتا ہے۔ اگر اُسے اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرونِ ملک بھی جانا پڑے تو اُس کے لیے وسائل کا بندوبست کرتا ہے۔ اس کے برعکس ایک بیٹے کو دنگا فساد، بدچلنی اور بری مجلسوں کا رِسیا دیکھتا ہے تو اُس کے لیے اندرونِ ملک بھی محدود تعلیم پر اکتفا کرتا ہے۔ اب اگر باپ ان دونوں کے ساتھ الٹ کرے تو وہ یقیناً ظالم ہوگا اور یوں وہ ان کی رغبت اور مزاج کے خلاف اُن کو مجبور کرے گا۔

اسی طرح ان ظاہری علامات میں جبر و اِکراہ کا کوئی دخل نہیں۔ یہ تو پہلے سے حاصل شدہ علم ہے۔ جیسے باپ اپنے فسادی طبع بیٹے کے بارے میں پہلے سے جانتا تھا کہ وہ کھیل کود اور تضیع اوقات کی طرف مائل ہو جائے گا۔ اب بیٹے کا کھیل کود کی طرف مائل ہو جانا اور کتب کو نظرانداز کر دینا باپ کی طرف سے مسلط کردہ زبردستی نہیں ہے، بلکہ یہ تو بیٹے کی طبع اور مزاج تھا جس کا پہلے سے باپ کو علم تھا۔ اور جب تجربہ کیا جاتا ہے تو دل کا حال کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

اسی بنا پر قیامت کے روز عدل و صدق کے ساتھ سزا عائد ہوگی۔ پھر انسان کو اپنے دل کی وہ باتیں معلوم ہو جائیں گی جن کو وہ نہیں جانتا تھا:

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ؀ (الانفطار ۸۲:۵) اُس وقت ہر شخص کو اس کا اگلا پچھلا سب کیا دھرا معلوم ہو جائے گا۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ (الملک ۶۷:۲) اُس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

یعنی کوئی شخص اپنے اعمال و افعال کا کوئی عذر پیش کرنے کے قابل نہ رہے کہ وہ حساب کے وقت کہتا پھرے کہ میں نے تو تربیت، سوسائٹی، ماحول اور رسوم و رواج وغیرہ کی تاثیر کے تحت ایسا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر قرآنِ مجید میں دوٹوک فرمایا ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ

(البقرہ ۲:۲۲۵) جو بے معنی قسمیں تم بلا ارادہ کھالیا کرتے ہو، اُن پر اللہ گرفت نہیں کرتا، مگر جو قسمیں تم سچے دل سے کھاتے ہو، اُن کی باز پرس وہ ضرور کرے گا۔

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ

(الاحزاب ۳۳:۵) نادانستہ جو بات تم کہو اُس کے لیے تم پر کوئی گرفت نہیں ہے، لیکن اس بات پر ضرور گرفت ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں کلام کیا ہے جو ایمان لانے کے بعد دوبارہ کفر کی طرف پلٹ گئے، انھیں شدید ترین عذاب کی دھمکی سنائی ہے اور ساتھ ہی اُن لوگوں کو اِن میں سے مستثنا کرلیا ہے جو:

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (النحل ۱۶:۱۰۶) مگر وہ شخص (عذاب سے بچ گیا) جس کو کفر پر مجبور تو کیا گیا مگر اُس کا دل مطمئن رہا۔

یعنی وہ شخص جس نے تعذیب و تشدد کے تحت زبان سے کفر کا اظہار کر دیا مگر اُس کا دل بدستور مومن رہا۔ مطلب یہ ہوا کہ دل میں قرار پکڑنے والی کیفیت محاسبے کا درجۂ اوّل میں موضوع ہے۔ وہ چیز قابلِ محاسبہ نہیں جو فعل کے سٹیج پر آگئی ہے، بلکہ دل میں مخفی اور پوشیدہ کیفیت محلِ ابتلا اور محلِ محاسبہ ہے:

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۙ (الطارق ۸۶:۹) جس روز پوشیدہ اَسرار کی جانچ پڑتال ہوگی۔

سریرہ حالات و ظروف اور معاشرہ و ماحول اور تربیت سے آگے کا سربستہ راز ہے۔ یہی ابتدائے مطلق ہے۔ وہ ابتدا، جسے اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی حدود و قیود سے آزادی دے رکھی ہے۔

یہی انسان کی روح ہے، اور یہ انسان کی حقیقت کو بعینہٖ اسی طرح منکشف کرتی ہے جس طرح انسان کی انگلیوں کے نشانات اُس کی انفرادیت کو واضح کرتے ہیں۔ انسان کی روح میں اللہ کی طرف سے حریت رکھی گئی ہے کیونکہ یہ اللہ کا نفخہ (پھونک) ہے:

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ○ (الحجر ۱۵:۲۹)
جب میں اُسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی رُوح سے کچھ پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔

چونکہ یہ انسان کے اندر اللہ کے نور کا ایک قبس (چنگاری) ہے اور اللہ نے انسان کو ارادے کی آزادی سے بھی عزت بخش رکھی ہے، لہٰذا وہ اس آزادی پر قابلِ محاسبہ ہے۔ اور یہ عطاے الٰہی کی بھی انتہا ہے اور عدل کی بھی۔

یہاں گہرے مفہوم والی آیات کی روشنی میں اللہ اور روح کے درمیان امتزاج سامنے آتا ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ (الانفال ۸:۱۷) پس حقیقت یہ ہے کہ تم نے انھیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور اے نبیؐ، تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔

یعنی جب آپؐ کے ہاتھ سے آپؐ کو نصرت مل رہی تھی عین اُسی وقت اللہ کے ہاتھ سے نصرت عطا ہو رہی تھی۔ لہٰذا لمحۂ نصرت میں آپؐ کا دست مبارک اللہ ہی کا دست قدرت تھا، آپؐ کا پھینکنا اللہ ہی کا پھینکنا تھا، آپؐ کی مشیت اللہ ہی کی مشیت تھی۔

یہاں یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ پھر نیت ایک دوسری مقدرت (قدرت) کیوں نہیں ہے؟ اس کا جواب بھی قرآن کے اندر ہی سے ملتا ہے:

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ (البقرہ ۲:۱۰) ان کے دلوں میں ایک بیماری ہے جسے اللہ نے اور زیادہ بڑھا دیا۔

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ○ (المؤمن ۴۰:۳۴) اسی طرح اللہ اُن سب لوگوں کو گمراہی میں ڈال دیتا ہے جو حد سے گزرنے والے اور شکی ہوتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (محمد ۴۷:۱۷) وہ لوگ جنھوں نے ہدایت پائی ہے، اللہ اُن کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے۔

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ (الصف ۶۱:۵) پھر جب انھوں نے ٹیڑھ اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔

سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰیٰتِیَ الَّذِیۡنَ یَتَکَبَّرُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ ؕ (اعراف ۷:۱۴۶)
میں اپنی نشانیوں سے اُن لوگوں کی نگاہیں پھیر دوں گا جو بغیر کسی حق کے زمین میں بڑے بنتے ہیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ نیت اور ارادے کی ابتدا اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ سے انسان کے لیے چھوڑ رکھی ہے۔ اللہ کی قضا اور قدر اس کے بعد آتی ہے اور پھر انسان کے دل میں مرض ہو تو اُسے بڑھا دیتی ہے اور اگر اُس کے دل کی گہرائیوں میں ہدایت کے لیے میلان و رجحان ہو تو ہدایت سے انسان بہرہ مند ہو جاتا ہے۔ اگر تکبر و غرور اُس کے اندر پیدا ہو جائے تو ہدایت سے پلٹ کر ضلالت کی طرف چلا جاتا ہے۔

ضمیر کا علاقہ و دائرہ ہمیشہ انسان کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ جو چاہے جی میں لے آئے اور قضائے الٰہی اس کے بعد نازل ہوتی اور اپنا فیصلہ نافذ کرتی ہے۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان پر برائی اور ظلم کا ارادہ و نیت ٹھونس دے:

وَاِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَۃً قَالُوۡا وَجَدۡنَا عَلَیۡہَاۤ اٰبَآءَنَا وَاللّٰہُ اَمَرَنَا بِہَا ؕ قُلۡ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ ؕ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ (اعراف ۷:۲۸) یہ لوگ جب کوئی شرم ناک کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادا کو اِسی طریقے پر پایا ہے اور اللہ ہی نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان سے کہو، اللہ بے حیائی کا حکم کبھی نہیں دیا کرتا۔ کیا تم اللہ کا نام لے کر وہ باتیں کہتے ہو جن کے متعلق تمھیں علم نہیں ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہیں؟۔

یہ بات اس چیز کی دلیل ہے کہ خلقِ اول کا قانون یہ ہے کہ روح ہمیشہ ایک مقدس و محترم حرم رہے گا جس میں زبردستی کا دخل نہیں ہوگا، نہ اللہ تعالیٰ ہی اور نہ اُس کے لشکر اور انبیا و رسل ہی اس حرم پر کوئی زبردستی کریں گے۔

DAR-E-ARQAM
دار ارقم سکولز
زیرنگرانی
پروفیسر عرفان احمد
چیئرمین دارارقم سکولز
ریجنل ڈائریکٹر
افتخار احمد چیمہ
0301-8720200
ADMISSIONS
OPEN
6th - 10th
مکبّر کیمپس گجرات
لیے قابل، محنتی، اور تجربہ کار اساتذہ
پارک اور جاگنگ ٹریک
کار کوچ کی زیرنگرانی جدید جم
شخصیت کی تعمیر و ترقی کے لیے ادبی مقابلہ جات، سٹڈی ٹورز اور تربیتی پروگرام
جماعت ششم سے دہم کے لیے معیاری ہوسٹل
جدید ترین کمپیوٹر لیب کے ساتھ شاندار لائبریری
کرکٹ، فٹ بال کے میدان
سوئمنگ پول
شاندار آڈیٹوریم
والدین سے رابطہ کا مستقل اور مؤثر نظام
باقاعدہ طبی معاینے کا نظام
کیفے ٹریا
"O" لیول اور میٹرک پروگرام
بھمبر روڈ نزد ایئرپورٹ گجرات
053-3024017